سرکاری عہدوں اور وسائل کا استعمال

اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں

پروفیسر عبدالمہیمن ○

رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرتِ مدینہ کے بعد مدینہ کے داخلی نظم و نسق کو قائم رکھنے کے لیے کچھ شعبے قائم کیے اور ان میں عمّال متعین کیے۔ آپؐ نے جو شعبے قائم کیے، ان میں دستاویزات، احتساب، داخلہ، خارجہ، مالیات، عساکر، تعلیم، معیشت اور مذہبی اُمور نمایاں تھے۔[1]

مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ شہری ریاست میں گورنر، وزرا، امرا، سفیر، سیکرٹری اور دیگر عہدے دار شامل تھے۔ آپؐ کے عمّال اور ان کے ذمّے کاموں کی تفصیل یہ ہے: آپؐ ۶۰ سال کی عمر میں بھی حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے: ولاۃ اور عمال کا تقرر، مؤذنین اور ائمہ کی تعیناتی، محصولینِ زکوٰۃ و جزیہ کی نام زدگی، غیر قوموں سے مصالحت، مسلمان قبائل میں جایدادوں کی تقسیم، فوجوں کی آراستگی، مقدمات کا فیصلہ، قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد، وفود کے لیے تعیینِ وظائف، اجراے فرامین، نومسلموں کے انتظامات، مسائل شرعیہ میں افتا، جرائم کے لیے اجراے تعزیر، ملک کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات، عہدے داروں کی خبرگیری اور احتساب۔ دُور دراز کے صوبوں میں متعدد صحابہ گورنر بنا کر بھیج دیے گئے تھے، لیکن مدینہ اور اطرافِ مدینہ کے فرائض آپؐ خود انجام دیتے تھے۔[2]

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن صحابہ کرامؓ کو وہی مناصب دیے، جو مکہ مکرمہ میں ان کے خاندانوں کو حاصل تھے۔ ابوبکر صدیقؓ کے خاندان میں عدالتی ذمہ داری تھی اور

○ صدر، اسلامک اینڈ ریلیجس اسٹڈیز ڈیپارٹمنٹ، یونی ورسٹی آف ہری پور ہزارہ

عمرِ فاروقؓ کے خاندان میں سفارت کا عہدہ تھا۔[۳] ابو بکر صدیقؓ کی حیثیت وزیرِ اوّل کی سی تھی۔ امام حاکم نے روایت نقل کی ہے: ابو بکر صدیقؓ کا درجہ نبی کریمؐ کے ہاں وزیر کا تھا۔ آپؐ ان سے تمام امور میں مشورہ کرتے تھے اور کسی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ (المستدرک، ج۳،ص ۶۶)

انتظامیہ کی تفصیل حسب ذیل ہے: ''دارالحکومت میں رسولؐ اللہ خود نظم و نسق کی نگرانی کرتے تھے، مثلاً خط و کتابت اور قرآن کو (جو وحی کی شکل میں نازل ہو رہا تھا) تحریری شکل میں محفوظ کرنے کے لیے کاتبین وحی مقرر تھے۔ گورنروں کی سرگرمیوں اور کارکردگی کی آپؐ نگرانی کرتے۔ آپؐ اکابر صحابہؓ سے مشورے کا اہتمام بھی فرماتے۔ شہروں کی آبادکاری کے حوالے سے آپؐ کی ہدایت خاص طور پہ قابلِ ذکر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ شہر کی گلیاں اتنی کھلی رکھو کہ دو اونٹ اپنے ساز و سامان سمیت آسانی سے ایک دوسرے کے پاس سے گزر جائیں۔ بازاروں کو بڑی اہمیّت دی جاتی اور آپؐ خود ان کا معائنہ فرماتے اور دھوکا دہی کی روک تھام کرتے۔ بازار کے معاینے کے لیے منتظم بھی مقرر تھے۔ مال ذخیرہ کرنے اور کاروبار میں غلط بیانی کی سخت ممانعت تھی اور سزا بھی دی جاتی۔ درآمدی سامان پر ڈیوٹی عائد کی جاتی تھی''۔[۴]

● **سرکاری مناصب اور تعلیماتِ نبویؐ:** نبی اکرمؐ کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے میں انسانوں کو عملی ہدایات فراہم کرتی ہیں۔ یہی معاملہ سرکاری مناصب کا بھی ہے۔ آپؐ کے کچھ ارشادات تو عمومی نوعیت کے ہیں، جن میں دیگر افراد کے ساتھ سرکاری مناصب کے حامل لوگوں کے لیے بھی رہ نمائی موجود ہے، جب کہ کئی ایک مواقع پر آپؐ نے براہ راست سرکاری ملازمین کو مخاطب کر کے ان کی رہ نمائی فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر آپؐ کے چند ارشادات نقل کیے جاتے ہیں:

۱- **اخوت اور بھائی چارہ:** اسلام کی عمومی تعلیمات میں اخوت اور بھائی چارے کو غیرمعمولی اہمیّت حاصل ہے۔ سرکاری مناصب اور سرکاری اہل کاروں کی ذمہ داریوں کے پس منظر میں اس کی اہمیّت مزید واضح ہوتی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اُس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے کسی کے حوالے کرتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی کسی حاجت کو پورا کرے گا، اللہ اِس کی حاجت پوری کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو کسی مصیبت سے نکالے گا، اللہ اسے روزِ قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت سے نکال دے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے

گا، اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔(الجامع الصحیح ۲۴۴۳، مسلم ۲۵۸۰)

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سرکاری ملازمین کے لیے بڑی واضح راہ نمائی موجود ہے۔ ان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ عوام کی حاجتوں کو پورا کریں، ان پر ظلم نہ کریں، انھیں بے جا پریشان نہ کریں، ان کا استحصال نہ کریں۔ یہ سب کرنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے امید رکھیں کہ وہ ان کے مسائل کو حل کرے گا اور ان کی حاجات کو پورا کرے گا۔

۲- خیر خواہی: یہ اسلام کی امتیازی خصوصیات میں سے اہم ترین خصوصیت ہے۔ ایک موقعے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: ''بے شک دین خیر خواہی ہے'' (سنن ابی داؤد، ۴۹۴۴)۔ صحابہؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! کس سے خیر خواہی؟ فرمایا: ''اللہ سے، اور اُس کی کتاب سے، اور اس کے رسولؐ سے، اور اہل ایمان کے ائمہ سے، اور ان کے عام لوگوں سے''۔

عام لوگوں کے لیے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ان امور کی طرف دعوت دی جائے جن میں ان کی مصلحت ہو اور دین کے کام میں ان سے تعاون کیا جائے، ناداروں کی مالی امداد کی جائے، مسلمانوں کے عیوب کی پردہ دری نہ کی جائے، انھیں ضرر سے بچایا جائے اور انھیں فائدہ پہنچانے کی کوشش کی جائے۔[۵] اس حدیث میں جو بات کہی گئی ہے وہ بلا امتیاز معاشرے کے تمام افراد کے لیے ہے، مگر خصوصاً اس میں سرکاری مناصب کے حامل افراد کے لیے واضح ہدایت موجود ہے۔

اربابِ اختیار کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ حسنِ تعلّق یہ ہے کہ حق بات میں ان کی مدد کی جائے، بھلائی اور نیکی میں ان کی اطاعت کی جائے، غلطیوں اور غفلتوں پر ان کو متنبہ کیا جائے اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ پر انھیں آمادہ کیا جائے، جب کہ عام مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک یہ ہے کہ ان کو ضرر نہ پہنچایا جائے اور ان کی ضروریات پوری کی جائیں، حسد، بغض اور دھوکا دہی سے اجتناب کیا جائے۔[۶]

۳- کسبِ حلال: اسلام اپنے ماننے والے ہر شخص سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ حلال رزق کمائے۔ تاہم اس کا سب سے زیادہ اطلاق سرکاری اہل کاروں اور ملازمین پر ہوتا ہے، کیوں کہ ان کے پاس حرام کمانے کے مواقع بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

قیامت کے دن کسی بھی انسان کے قدم اس وقت تک نہیں ہل سکیں گے جب تک اُس

سے اُس کی عمر کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے کہ اُس نے اُسے کہاں گزارا؟ اور اُس کے علم کے بارے میں کہ اِس پر کتنا عمل کیا؟ اور اُس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور اُس کے جسم کے بارے میں کہ کہاں استعمال کیا؟ (سنن ترمذی، ۲۴۱۷)

قیامت کے روز دیگر افراد کی طرح سرکاری ملازمین کو بھی بارگاہِ خداوندی میں اس بات کا جواب دینا ہوگا کہ انھوں نے اپنے منصب کا استعمال کر کے جو مال کمایا ہے وہ حلال بھی تھا یا نہیں؟ اپنی عمر کہاں گزاری؟ جو ذمے داریاں ان پر ڈالی گئی تھیں ان سے کس حد تک عہدہ برآ ہوئے؟

۴-رعایت اور نرمی: اسلام نے ہمیشہ آسانی، نرمی، رعایت اور تخفیف کا درس دیا ہے۔ یہ ہدایت اربابِ اختیار کے لیے بھی ہے۔ اس لیے کہ ان کے پاس اختیار ہوتا ہے۔ وہ چاہیں تو سختی کر سکتے ہیں اور چاہیں تو معاملے میں نرمی سے بھی کام لے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپؐ نے بڑی وضاحت سے ارشاد فرمایا ہے: ''اے اللہ! جس کو میری امت میں کسی کام کا اختیار ملے اور وہ لوگوں پر سختی کرے، تُو بھی اس پر سختی کر، اور جس کو میری امت میں کسی کام کا اختیار ملے اور وہ لوگوں پر نرمی کرے، تُو بھی اس پر نرمی کر''۔ (مسلم، ۱۸۲۸)

سرکاری ملازمین نے اگر اپنے اختیارات کا درست استعمال کیا، عوام کو آسانیاں فراہم کیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ان کی نجات کا باعث بنے گی اور اللہ تعالیٰ ان پر نرمی کرے گا، اور اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بہ موجب ان کو اس سے بھی زیادہ سختی کا سامنا کرنا پڑے گا: ''جس کو مسلمانوں کے کسی کام کا اختیار ملے اور وہ کم زور مسلمانوں سے اعراض کرے، اللہ قیامت کے دن اس سے اعراض کرے گا''۔ (معجم الکبیر)

سرکاری اداروں میں یہ بات بہت عام ہے کہ سرکاری ملازمین صرف انھی لوگوں کا خیال رکھتے ہیں جو ان سے زیادہ صاحبِ اختیار ہوں، یا پھر اُن سے اِن کو کوئی فائدہ ہو۔ جن لوگوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، عام طور پر ان کے مسائل حل کیے جاتے ہیں اور نہ ان کی راہ نمائی کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت سے فرمایا ہے کہ ایسا کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اعراض کرے گا۔ اس سے زیادہ بدبختی کسی انسان کے لیے اور کیا ہو سکتی ہے!

۵- **خوش اخلاقی**: انسان کا المیہ ہے کہ جب اس کے پاس اختیار آتا ہے تو بسا اوقات اس کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے، بلکہ کبھی کبھار اخلاقی حدوں سے بھی تجاوز کر جاتا ہے۔ اسلام خوش اخلاقی پر بہت زور دیتا ہے۔ سرکاری منصب داروں کے پاس اس کے مواقع اوروں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں نہ صرف اپنے فرمودات بلکہ اپنے طرزِ عمل سے بھی راہ نمائی فرمائی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے: ''لوگوں میں بدترین شخص وہ ہے جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اسے چھوڑ دیں''۔ (ترمذی)

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ سرکاری ملازمین کی بدکلامی اور بداخلاقی کی شکایت کرتے ہیں۔ عمومی زندگی کے معاملات کے برعکس یہاں پر معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان سے شکایت ہو تو اس سے قطع تعلق کیا جاسکتا ہے، کسی دکان دار سے شکایت ہو تو دوسری دکان پر جایا جاسکتا ہے، لیکن سرکاری ملازمین کے معاملے میں یہ ممکن نہیں ہوتا۔ لوگوں کو بار بار ان ہی سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس صورت میں ان ملازمین کی بداخلاقی بہت سے مسائل پیدا کرتی ہے۔

- **رشوت خوری سے اجتناب**: رشوت سرکاری محکموں کا ناسور بن گئی ہے۔ اس لعنت نے سارے سرکاری ڈھانچے، اس کے نظام اور اس کی کارکردگی کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں معاشرے کی دیگر برائیوں کی نشان دہی کی ہے وہیں رشوت کی واضح الفاظ میں مذمت کی ہے، رشوت خوری میں ملوث افراد کی حوصلہ شکنی فرمائی اور ان پر لعنت بھیجی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں: رسولؐ اللہ نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ (سنن ابی داؤد ۳۵۸۰، سنن ترمذی ۱۳۳۷)

اس سلسلے میں عموماً یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ سرکاری ملازمین کو ایسے تحفے تحائف دیے جاتے ہیں جن کا مقصد صرف اپنا کام نکلوانا ہوتا ہے۔ یہ بھی رشوت ہی کی ایک صورت ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جب ایک سرکاری اہل کار نے کہا کہ فلاں فلاں چیزیں مجھے تحفے میں ملی ہیں تو آپؓ نے فرمایا: ''گھر جا کر بیٹھو اور پھر دیکھو کہ تمھیں کتنے تحفے ملتے ہیں''۔

- **عہدے اور اہلیت**: مختلف معاملات کو احسن طریقے سے چلانے اور عوام کو سہولت فراہم کرنے کے لیے حکومت مختلف مناصب قائم کرتی ہے۔ ضروری ہے کہ ان مناصب پر اہل لوگوں

کو فائز کیا جائے۔ اگر ان پر ایسے لوگوں کو متعین کر دیا جائے جو ان کے اہل نہ ہوں تو فساد اور انارکی کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویؐ میں اہلیّت کے معاملے میں بڑے واضح احکام دیے گئے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النساء ۴:۵۸) اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کو ادا کرو۔

امام طبریؒ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اربابِ اختیار کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر اعتبار سے اپنی رعیت کے حقوق ادا کریں، ان پر ظلم نہ کریں، کسی معاملے میں ان میں تفریق نہ کریں، اہل لوگوں کے ہاتھ سے معاملات لے کر نااہل لوگوں کے ہاتھ میں نہ دیں اور لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلے کریں۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اپنے رسولؐ کی زبانی بیان کیا ہے۔ اگر اس کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا تو یہ ظلم تصور کیا جائے گا''۔[۷]

امام قرطبیؒ کے نزدیک: ''یہ قرآن کی اہم ترین آیات میں سے ہے۔ یہ سارے دین اور شریعت کا احاطہ کرتی ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کے اربابِ اختیار کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں ان پر لازم ہے کہ وہ مال کی تقسیم، ظلم کے خاتمے اور فیصلوں میں عدل و انصاف سے کام لیں''۔[۸]

ابن کثیرؒ کے مطابق: ''اس آیت کے الفاظ وسیع المعانی ہیں۔ ان میں اللہ عزّ وجل کے حقوق کی ادایگی بھی شامل ہے، جیسے روزہ، نماز، زکوٰۃ، کفارہ، نذر وغیرہ اور بندوں کے باہمی حقوق بھی شامل ہیں۔ پس جو حق کو ادا نہ کرے گا اس کی پکڑ قیامت کے دن ہوگی اور قیامت کے دن ہر حق دار کو اس کا حق دلوایا جائے گا''۔[۹]

مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل و نصب کے اختیارات ہیں۔ ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں، بلکہ اُن پر لازم ہے کہ ہر کام اور عہدے کے لیے اپنے دائرۂ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔ پوری اہلیّت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے، تو موجود لوگوں

میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے''۔[۱۰]

قرآنِ کریم کی طرح احادیثِ نبویؐ میں بھی اہلیّت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس وقت امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو''۔ پوچھا گیا کہ امانت کا ضائع کرنا کس طرح ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: ''جب کام نااہل (لوگوں) کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔(الجامع الصحیح، ۶۴۹۶)

حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسولؐ اللہ سے عرض کیا: کیا آپؐ مجھے کوئی عہدہ نہیں دیں گے؟ آپؐ نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابوذر! تم کم زور ہو اور یہ (عہدہ) امانت ہے۔ قیامت کے دن یہ باعثِ رسوائی و ندامت ہوگا، سوائے اس کے جو اس کا حق ادا کرے اور اس کے فرائض پورے کرے۔(مسلم، ۱۸۲۵)

کسی ذمہ داری کی طلب اور خواہش شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان ذمہ داریوں پر افراد کا تعیّن کیسے ہو؟ یہاں صدرِ مملکت اور دوسرے سربراہوں کی ذمہ داری اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ ان پر واجب ہے کہ مملکت کے تمام کاموں کے لیے بہترین اور موزوں ترین اشخاص کا انتخاب کریں۔ ان کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ رشتہ، دوستی، تعلقات یا پارٹی بندی اور جماعتی تعصب کی وجہ سے لوگوں میں سے کسی نااہل کا انتخاب کریں۔ اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے مسلمانوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار ایک ایسے شخص کو بنایا جس سے زیادہ مناسب لوگ بھی پائے جاتے ہوں اور وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کے زیادہ جاننے والے ہوں، تو اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی''۔(بیہقی، ۸۶۱)

● **عہدے داروں کا احتساب**: سرکاری مناصب کے معاملے میں اہلیّت کے بعد اگلا مرحلہ احتساب کا ہے: اولاً کسی منصب پر تقرر میں انتخاب کے وقت اہلیّت کے لحاظ سے انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد جن لوگوں کا تقرر ہو ان کا احتساب اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ مناصب اور احتساب کے درمیان بہت گہرا تعلّق ہے۔ دراصل احتساب سرکاری مناصب کے درست استعمال کا ضامن ہے۔ اس کی ضرورت اسلامی ریاست کے روزِ آغاز ہی سے محسوس کرلی گئی تھی۔

جب تک ریاست، مدینہ کی حدود تک ہی محدود رہی اس وقت تک رسولؐ اللہ بنفسِ نفیس

اس کام کو انجام دیا کرتے تھے۔ اس کے لیے آپؐ وقتاً فوقتاً بازار کا چکر لگاتے اور کوئی غلط کام دیکھتے تو فوراً متنبہ فرماتے اور اس کی اصلاح کرتے۔ ایک بار آپؐ بازار کے معائنے کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک صاحب گندم فروخت کر رہے تھے۔ آپؐ نے گندم کے ڈھیر میں دستِ مبارک ڈالا تو انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا: 'گندم والے! یہ کیا؟' ان صاحب نے عرض کیا: 'یارسولؐ اللہ! گندم رات کی بارش میں بھیگ گئی تھی'۔ آپؐ نے فرمایا: 'اس گیلی گندم کو اُوپر کیوں نہیں رکھا اور فرمایا: ''جس نے دھوکے بازی کی وہ ہم میں سے نہیں''۔ (مسلم، ۱۰۲)

ایک موقعے پر آپؐ نے ایک صاحب کو کوئی چیز تولتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا: ''اچھی طرح تولو اور جھکتا ہوا تولو'۔ (المعجم الکبیر، ج۱۹، ص۴۷۲)

جب اسلامی ریاست کی وسعت مدینہ سے باہر تک ہوگئی تو احتساب کے لیے مستقلاً افراد مقرر کر دیے گئے۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں عمر فاروقؓ اور مکہ مکرمہ میں سعید بن العاصؓ کو محتسب مقرر کیا گیا۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ کا دو سالہ مختصر دورِ حکومت شدید ہنگامی حالات میں گزرا۔ جنگوں، بغاوتوں اور شورشوں کو ہی فرو کرنے میں سارا وقت صرف ہوگیا۔ اس لیے اس دور کے نظامِ حسبہ کی تفصیلات نہیں ملتیں، لیکن چوں کہ وہ ہر معاملے میں انتہائی کوشش کرتے تھے کہ اس کا نظم اسی طرح چلائیں جس طرح رسولؐ اللہ کے مبارک زمانے میں چل رہا تھا۔ اس لیے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ عہدِ نبویؐ میں جو اصحاب محتسب مقرر ہوئے تھے اور جو فرائض ان کے سپرد ہوئے تھے وہ عہدِ صدیقی میں بھی علیٰ حالہٖ برقرار رہے ہوں گے۔ تاہم، حضرت عمر فاروقؓ نے اس ادارے کو بہت ترقی دی اور جابجا محتسب مقرر فرمائے۔ دارالخلافہ میں اس اہم فریضے کو آپؓ بنفسِ نفیس انجام دیتے تھے۔ مشہور صحابی حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو دورِ فاروقی میں ادارۂ احتساب اور ادارۃ النظر فی المظالم کا محتسب اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا۔ وہ مختلف علاقوں اور صوبوں کا دورہ کرتے تھے اور دوسرے علاقائی محتسب کی نگرانی کے علاوہ خود بھی احتساب کا کام انجام دیتے تھے۔[11]

سرکاری اہل کاروں کے احتساب کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

''امام کو اپنے نائبین اور معاونین سے غافل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس کو چاہیے کہ وہ ہر روز، دو روز (یا مناسب وقفوں) کے بعد ان عہدہ داروں کے حالات اور کارکردگی کے بارے میں پوچھا کرے

اور اپنی ذاتی رائے اور عقل و فراست کے ساتھ ان کی موزوں راہ نمائی کرے۔ اِن کو بے لگام آزادی نہیں دینی چاہیے۔ اگر ان کی کارکردگی اور فرضِ منصبی کی ادایگی واضح طور پر اچھی ہے، تو حوصلہ افزائی کر کے ان کی قدر افزائی کرے، تاکہ وہ مزید بہتر کارکردگی دکھانے کی سعی کریں۔ اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو ان کی اصلاح کے لیے کام کرے۔ اگر کسی شخص کے متعلق امام کو یہ خوف ہو کہ اعلیٰ منصب ملنے پر اس کا مزاج بگڑ جائے گا اور طوقِ اطاعت پھینک دے گا، تو ایک بہتر تدبیر یہ ہے کہ اس سے متعلّق محکمے اور منصب کو مصلحت کے مطابق دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے سپرد کر دے۔ اس طرح اس کی باغیانہ کیفیت اور مزاج کی شدت ٹھنڈی پڑ جائے گی'۔[۱۵]

● **احساسِ ذمہ داری**: ہر منصب اس امر کا متقاضی ہے کہ اس سے متعلقہ فرائض کو ذمہ داری کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اگر احساسِ ذمہ داری نہ ہوگا تو اس منصب سے مطلوبہ مقاصد کا حصول ممکن نہیں ہوگا اور نہ اس منصب کا حامل اس کا اہل سمجھا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> اچھی طرح جان لو کہ تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلّق باز پرس کی جائے گی۔ جو حکمران لوگوں پر حکومت کرتا ہے، وہ نگران اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔(الجامع الصحیح، ۷۱۳۸)

حکومت اور دیگر سرکاری مناصب کے تعلّق سے نگران کا مطلب یہ ہے کہ وہ شریعت کی حفاظت کرتا ہو، حدود قائم کرتا ہو، لوگوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام لیتا ہو، اور جو ذمہ داری اسے سونپی گئی ہے اسے احسن طریقے سے ادا کرتا ہو۔ اہل مناصب کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایمان داری سے اپنے فرائض سرانجام دیں، اس بات سے قطع نظر کہ کوئی ان کے کام کو پسند کرے یا نہ کرے۔ تمام افراد کی اصلاح ان کی ذمہ داری میں شامل نہیں ہے۔[۱۶]

سرکاری اہل کاروں کے لیے یہ احساس لازمی ہے کہ مناصب اور ذرائع کو دنیاوی آرزوؤں کے حصول کے لیے استعمال نہ کریں، بلکہ تفویض کردہ ذمہ داریوں کو مذہبی، قومی اور اخلاقی فریضہ سمجھ کر ادا کریں۔

سرکاری عہدوں اور وسائل کو استعمال کرتے ہوئے اگر نبی کریمؐ کے اسوۂ حسنہ اور ان اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے تو نہ صرف حکومتی سطح پر درپیش مسائل بالخصوص استحصال، ناانصافی، نااہلی، بدعنوانی اور کرپشن جیسے مسائل حل ہوسکتے ہیں بلکہ حکومتی اداروں کی کارکردگی بھی بہتر ہوسکتی ہے اور اچھی حکومتی کارکردگی (گڈگورننس) بھی سامنے آسکتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کی جائیں (انبیاء ۴:۵۸)۔ مناصب اہل اور دیانت دار لوگوں کے سپرد کیے جائیں اور وہ پورے احساس ذمہ داری سے اپنا فرض ادا کریں، نیز عہدے داروں کا کڑا احتساب کیا جائے۔

حوالہ جات

۱- ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضراتِ سیرت، الفیصل ناشرانِ کتب لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۳۴۵

۲- علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ج ۲، ادارہ اسلامیات لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۴۰۸

۳- محاضرات سیرت، ص ۳۲۸

۴- ڈاکٹر محمد حمیداللہ، رسولؐ اللہ کی حکمرانی اور جانشینی، بیکن بکس لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۹۲

۵- پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبیؐ، ج ۵، ص ۹۷۲، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۹ء

۶- مولانا گوہر رحمٰن، اسلامی سیاست، مکتبہ تفہیم القرآن مردان، ۲۰۰۲ء، ص ۱۴۰

۷- طبری، محمد بن جریر، تفسیر الطبری، ج ۷، ص ۱۷۳، ھجر للطباعہ والنشر، قاہرہ، ۲۰۰۱ء

۸- قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن، ج ۶، ص ۴۲۳، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۲۰۰۶ء

۹- ابن کثیر، عمادالدین، تفسیر ابنِ کثیر، ج ۵، ص ۶۲۲، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۶ء

۱۰- محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ۲، ص ۴۴۶، ادارۂ معارف، کراچی، ۲۰۰۵ء

۱۱- غازی، محمود احمد، ادب القاضی، ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص ۳۷۵

۱۲- شاہ ولی اللہ دہلوی، البدور البازغۃ، ترجمہ قاضی مجیب الرحمٰن، اسلام آباد، ۱۹۸۱ء، ص ۲۰۲

۱۳- سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، ج ۲، ص ۱۷۰، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۹ء